برطانیہ کے نئے انتخابات اور بین الاقوامی معاملات

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

برطانیہ کے گذشتہ عام انتخابات میں لیبر پارٹی کی شکست اور مسٹر چرچل کی جماعت —— کنزرویٹو پارٹی —— کے برسراقتدار آجانے کے بعد بین الاقوامی اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کی سیاست میں چند اہم اور بنیادی تغیرات رونما ہونگے جو امکانات پیدا ہوگئے ہیں اگر وہ تغیرات رونما ہوسکے تو ان کے نتائج بھی بے حد اہم اور دوررس ہونگے۔ لیکن ان ممکن تغیرات اور ان کے نتائج پر غور کرنے سے قبل اس امر کو بھی ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ برطانیہ کی لیبر پارٹی کے شکست کے اسباب کیا ہیں اور دو عام انتخابات میں ناکام ہوتے رہنے کے بعد تیسرے عام انتخاب میں کنزرویٹو پارٹی کو کن وجوہ کی بنا پر کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب برطانیہ میں زمانہ بعد از جنگ کے پہلے عام انتخابات ہوئے تھے تو اس وقت مسٹر چرچل کو برطانیہ کے فتحمند قائد جنگ اور آہنی انسان کی حیثیت حاصل تھی اسکے باوجود ان انتخابات میں ان کی پارٹی کو نہ صرف شکست ہی نصیب ہوئی تھی بلکہ ان کی حریف جماعت کو کنزرویٹو پارٹی پر کم وبیش ۱۵۰ اراکین کی اکثریت بھی حاصل ہوگئی لیکن ۱۹۵۰ء کے عام انتخابات میں ۱۵۰ آراء کی یہ اکثریت صرف ۶ آراء کی اکثریت تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور آج کنزرویٹو پارٹی کو لیبر پارٹی کے مقابلہ میں ۲۵ اور پورے دارالعوام میں کم وبیش ۱۷ آراء کی اکثریت حاصل ہے۔

سوال یہ ہے کہ چھ سال تک مسلسل برسر حکومت رہنے کے بعد لیبر پارٹی کو شکست کیوں نصیب ہوئی ہے؟ اور یہی وہ سوال ہے جسکے جواب سے مستقبل میں رونما ہونیوالے متوقع بین الاقوامی تغیرات کا اندازہ لگا سکیں گے۔ لیکن اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد برطانوی عوام اپنے ملک کی حکومت سے کیا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے زمانۂ جنگ کے

اقتدار سے کیوں محروم کیا اور انھوں نے لیبر پارٹی کی حکومت سے کیا کیا توقعات وابستہ کی تھیں، اس سلسلہ میں اگر برطانوی عوام کے رجحانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اول تو دوسری عالمگیر جنگ نے انھیں جنگ سے متنفر بنادیا تھا اور وہ کسی تیسری جنگ عظیم میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے تھے اور دوسرے وہ اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں ان نقصانات کی تلافی کرنا اور کرانا چاہتے تھے جو گذشتہ جنگ کی بدولت انھیں پہنچ چکے تھے اور چونکہ انھیں کنزرویٹو پارٹی کے برسر اقتدار آنیکے بعد ان مقاصد کے حصول کی توقع نہیں تھی اسلئے انھوں نے ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں لیبر پارٹی کو کامیاب بنایا لیکن لیبر پارٹی نے برسر حکومت آنیکے بعد اپنی داخلی اور بیرونی حکمت عملی کو جس بنیاد پر قائم کیا اس نے برطانیہ کے قومی اور عوامی مفاد کی بنیاد کو تہ و بالا کر دیا۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ نے خود کو امریکی منصوبوں کا مقلد بنا لیا اور ان کی جنگ بازانہ حکمت عملی کو اپنا کر برطانیہ کے تمام تر وسائل کو تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریوں پر مرتکز اور مرکوز کر دیا جس کے نتیجہ کے طور پر ایک جانب تو برطانیہ کی قومی خود مختاری کو امریکی غلبہ اور اقتدار کا خطرہ لاحق ہو گیا اور دوسری طرف جس قومی دولت کو زمانہ بعد از جنگ میں قومی تعمیر و ترقی نیز معاشی اور اقتصادی فلاح و بہبود پر صرف ہونا چاہیے تھا وہ جنگی تیاریوں پر صرف ہوئی اور اسی طرح برطانیہ کا اقتصادی تعطل اور بھی عمیق ہوتا گیا۔ چنانچہ ضروریات زندگی کے لئے ناگزیر اشیاء کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوا اجرتوں اور پنشنوں میں تخفیف کی گئی مکانات کی قلت کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا اور معاشرتی خدمت کے وسائل بھی قطع و برید سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے۔ اسٹرلنگ کی قیمت میں تخفیف بھی لیبر گورنمنٹ کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ تھی اور اس وقت بھی برطانیہ کی اقتصادیات بحرانی دور سے گذر رہی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ عام انتخابات سے کم و بیش ایک ماہ قبل ۲۲ ستمبر کو برطانوی سرمایہ دار طبقہ کے رسالہ "اکانومسٹ" نے لکھا تھا کہ ــــــ جنگ کے بعد اب ہمیں تیسری بار اقتصادی تعطل کا رد کرنا پڑ رہا بالکل واضح طور پر نظر آ رہا ہے ـــــ اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ سونے اور ڈالر کی شکل میں برطانیہ کے پاس جو محفوظ سرمایہ ہے صرف جولائی، اگست

اور ستمبر میں اس میں ۵۰ کروڑ ڈالر کی کمی واقع ہوئی ہے ان حالات میں اگر برطانوی رائے دہندگان نے لیبر پارٹی کے امیدواروں کو رائے نہیں دی تو اس بات پر اظہار تعجب نہیں کرنا چاہئے لیکن یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کنزرویٹو پارٹی بقاء امن اور اقتصادی فلاح سے متعلق برطانوی عوام کی خواہشات اور توقعات کو پورا کر سکے گی ؟

اس میں شک نہیں کہ کنزرویٹو پارٹی جنگ بازی کے معاملہ میں لیبر پارٹی پر بھی فوقیت رکھتی ہے لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسکی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف ایک خیال ہوتا ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ جسطرح بھی ممکن ہو سکے برطانیہ کے اقتدار اور اسکی برتری اور بالادستی کی روایات کو برقرار رکھا جائے۔ اس لئے اب جبکہ کنزرویٹو پارٹی برسر حکومت ہے اس امر کی توقع نہیں کیجا سکتی کہ وہ اپنے ملک کو امریکہ کی حکمت عملی کے ساتھ محکومانہ انداز میں وابستہ رکھے گی اور اگرچہ مستقبل میں بھی ان دونوں ملکوں کا اتحاد برقرار رہے گا لیکن اس اتحاد کی نوعیت اس اتحاد سے بالکل مختلف ہوگی جو لیبر پارٹی کی حکومت اور متحدہ امریکہ کے مابین قایم تھا اور ظاہر ہے کہ اتحاد کی نوعیت بدل جانے کے بعد بین الاقوامی مسائل اور معاملات پر بھی اس کا اثر ضرور پڑے گا اور چونکہ برطانیہ میں موجودہ پیمانہ پر جنگ کی تیاریوں کو جاری رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف تو برطانیہ امریکہ کا دست نگر بنا رہے اور دوسری طرف ان تیاریوں کی بدولت ملک کی اقتصادی حالت میں کوئی اطمینان بخش تغیر رونما نہ ہو اور ظاہر ہے کہ کنزرویٹو پارٹی اس غیر مقبول اور متروک حکمت عملی پر قایم رہتے ہوئے اپنی حکومت کے موجودہ دور کو کامیاب نہیں بنا سکتی ۔

پھر کنزرویٹو پارٹی کے برسر اقتدار آجانیکے باعث مشرق وسطےٰ کے ممالک پر جو اثر پڑیگا اسکا اندازہ کر لینا بھی کچھ زیادہ دشوار امر نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ ابھی تک مشرق وسطیٰ کے عوام کا سیاسی اور معاشرتی شعور پوری طرح بیدار نہیں ہوا لیکن ان ممالک کے قوم پرور سرمایہ دار اس نقصان کو محسوس کرنے لگے ہیں جو غیر ملکی سرمایہ داروں کے استحصال زر کی بدولت خود انہیں پہنچ رہا ہے اور عوام میں جس قدر بیداری پیدا ہوئی ہے قوم پرور سرمایہ داروں کا یہ طبقہ اسے قومی آزادی کی حمایت کے لئے استعمال کر رہا ہے اور گذشتہ چند ماہ سے ایران اور مصر میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ ان ممالک

سے قومی سرمایہ داروں کے احساسِ زیاں اور عوام کی نیم سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بیداری ہی کے نتائج ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جاچکا ہے کنزرویٹو پارٹی ایک لمحہ کے لئے بھی برطانوی بالادستی اور اقتدار کے زوال کو برداشت نہیں کرسکتی اور اس امر کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ ایران اور مصر کے قومی مطالبات کو نہ صرف تسلیم ہی نہیں کرے گی بلکہ اسے قوت و طاقت کے مظاہرہ میں بھی کوئی پس و پیش نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ مصر، ایران یا مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے ممالک قوت و طاقت سے برطانوی قوت و طاقت کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور جہاں تک ادارہ اقوام متحدہ سے رجوع کرنے کا تعلق ہے اس وقت تک مشرق وسطیٰ کے جن مسائل کو اس کے روبرو پیش کیا جاچکا ہے ان میں سے کسی ایک مسئلہ کا بھی اطمینان بخش فیصلہ نہیں ہوسکا اس لئے مستقبل میں بھی اس بات کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایران اور مصر کے معاملات میں اس کے فیصلے مغربی مستعمرین کے اثر سے پاک ہوں گے۔ ان حالات میں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سوویٹ روس کے ساتھ اپنے تعلقات قایم اور استوار کریں۔

اور اگر ایسا ہوا تو پھر ایک طرف تو مشرق میں مستعمرین مغرب کے اقتدار میں زبردست کمی رونما ہوجائے گی اور دوسری طرف سوویٹ یونین کے گروہ کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہوجانے کے باعث بقاء امن کے مقصد کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔